یہودیت عیسائیت اور اسلام

تحریر

علامہ محمد یوسف جبریلؒ

ملنے کا پتہ

غوثیہ بک ڈپو، مین بازار نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب　　یہودیت عیسائیت اور اسلام

تحریر　　علامہ محمد یوسف جبریل

اشاعت سال

پبلشر　　ادارہ افکار جبریل مین بازار نواب آباد واہ کینٹ ضلع راولپنڈی

پرنٹر

تعداد

ملنے کا پتہ غوثیہ بک ڈپو، مین بازار نواب آباد واہ کینٹ

ادارہ افکار جبریل مین بازار نواب آباد واہ کینٹ

قیمت

فہرست مضامین

باب اول

جدوجہد اور زوال زندگی

باب دوم

یہودیت اور اسلام ایک موازنہ

باب سوم

عیسائیت اور اسلام ایک تقابلی جائزہ

باب چہارم

اسلام کے نمایاں اصول

باب اول

جدوجہد اور زوال زندگی

انسانی زندگی ایک مسلسل غیر منقطع اور لا منتہاہی جدوجہد کا سلسلہ ہے۔ یہ سلسلہ آفرینش آدم سے لے کر وقوع قیامت تک جاری رہے گا۔ پیدائش اور موت گہوارہ طفولیت سے گوشہ لحد تک اس قانون ازلی سے فرار وگریز ناممکن ہے۔ زمین وآسمان حتیٰ کہ یہ ساری کائنات اسی اصول پر کاربند ہے۔ قدرت کاملہ اسی روش پر گامزن ہے۔ اُمتیں اسی اصول پر بنیں یا بگڑیں۔ جو لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا رہے وہ تباہی سے دوچار ہوئے اور وہ لوگ جو اس میدان کارزار میں سرگرم عمل رہے وہ فتح مندی وکامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ وہ جئے تو شان سے مَرے تو ایمان سے۔ ازل سے زمانے کا یہی دستور رہا ہے۔ تقدیر نے قوموں کو ہر دور میں اِسی معیار پر جانچا ہے جسے مفید سمجھا اسے ابدی زندگی بخشی اور جسے فضول جانا اُسے موت کی ابدی نیند سُلا دیا لیکن یہ دور یہ دور حاضر جس سے آج کی انسانیت دوچار ہے جملہ ادوار و زمن سے کہیں زیادہ مرد آزما دور ہے۔ آدمیت آزمائش کے لئے بلند ترین امتحانی سیڑھیوں پر حالتِ کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کٹھن دور میں کامیاب ہونا گویا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور سب سے اعلیٰ امتحان اس وقت ملتِ اسلامیہ کو درپیش ہے۔ یہی قوم اپنے حقوق وفرائض سے غافل اپنے مبداء ومعاد سے قطعاً بے خبر اپنی بلند مقامی سے کلیتہً ناآشنا ماضی ومستقبل سے اصولاً روگرداں اور زندگی کی جدوجہد میں مائل بہ گریز اپنی وراثتِ علمی اور دینی سے سراسر برگشتۂ انتشار آج حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بجائے مائل بہ فرار ہے۔ اگرچہ یہ قوم دوسری قوموں میں صاحبِ مقام ہے۔ یہی اُمت دونوں جہاں کی امام ہے۔ نئی تخلیق سے کبھی نہیں رکتی کیونکہ نیند اور تھکن اُس پر حرام ہے۔

اسلام ایک آفتاب کی طرح اُبھرا اور دنیائے تیرہ وتاریک کے گوشے گوشے کو منور کر گیا۔ صدیوں اس کی جہاں تابیاں کُرہِ ارض پر لیلتہ القدر کی طرح ضیاء پاشیاں کرنے کے بعد افسوس کہ خود ملتِ اسلامیہ کے دلوں سے فراموش ہوگئیں۔ اغیار نے انہیں مشعلِ ہدائت بنایا اور آسمانِ گیتی پر آفتاب بن کر چمکے۔ مسلمانوں نے اپنے فرائض سے پہلو تہی کی اور غارِ تاریک میں جا گرے حتیٰ کہ اس نوبت کو پہنچے کہ وہ غلام اپنے حال سے آگاہ نہیں جو دوزخ کو اپنے بجائے کسی دوسرے کی جگہ کہتا ہے۔

ایک وقت تھا کہ مسلمان قوم آندھی کی طرح اُٹھی اور بگولے کی طرح روئے زمین پر چھا گئی۔ اِس قوم نے دنیا کو کفر وجہالت کی تاریکیوں سے نکالا۔ عدالت، اخوت اور مساوات کا سبق پڑھایا۔ زمانے کو ایک اعلیٰ ترین تمدن سے روشناس کرایا۔ علم وفضل کے دریا بہا دئے۔ بت پرستی کا خاتمہ کیا۔ عدل وانصاف کا بہترین نمونہ پیش کیا۔ خدا کی مخلوق کو قرانی تعلیم سے متعارف بلکہ بہرہ ور کیا۔ انسانی بہبود کے

بہترین طریقے سوچے۔ غرضیکہ اس دُکھی سنسار کو ایک جنت میں تبدیل کر دیا مگر رفتہ رفتہ مسلمانوں میں کمزوریاں نمودار ہو گئیں۔ وہ تمام نقائص جو پہلی قوموں کے تنزل و بربادی کا سبب بنے مسلمانوں کے زوال کا سبب بن گئے۔ مسلمان تحقیق و جستجو سے غافل ہوئے اور جدوجہد کی شہراؤں سے کنارہ کش ہو کر دوراز کار موشگافیوں اور لغو و طائل بحث و تمحیص میں اُلجھ کر رہ گئے۔ نتیجۃً تفریق کا شکار ہوئے اور بروں از حدو شمار گروہوں میں بٹ گئے۔ اس پر علم و عمل سے بیگانگی مستزاد۔ قوم کی قوم قعر مذلت میں جا گری اور وہ جوش عمل جو شروع اسلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُمت کو بخشا تھا یکسر بجھ گیا۔ مسلمان رفتہ رفتہ میدان عمل کو چھوڑ کر اُس وقت خانقاہوں میں پناہ گزیں ہو گئے جبکہ روحانیت کے وہ مینارہ و فنافی اللہ ہستیاں دنیائے فانی سے روپوش ہو چکی تھیں۔ جوش عمل سرد ہوا تو مسلمان فراری ذہنیت سے مغلوب ہو کر راہ نجات کے ہوائی طریقوں کے متلاشی ہوئے اور قرآن حکیم طاقِ نسیاں کی نذر ہو گیا۔ مسلمانوں نے مسجدوں کو خیر باد کہہ دیا تو وہ مرثیہ خواں ہو گئیں۔ قوم تصوف کی تحویل میں چلی گئی تن آسانی نے جوش عمل کی جگہ لے لی۔ قرآن حکیم طاقِ نسیاں میں مقید ہو گیا کیونکہ کورانہ تقلید نے ذوقِ جستجو کو سرد کر دیا اور آخر کار نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ سارے قرآن حکیم میں سے صرف سورۃ یٰسین ہی مسلمانوں کو یاد رہی اور وہ بھی روشنی کے حصول کے لئے نہیں بلکہ وقت نزع مسلمان کے سرہانے پڑھی جائے تو جان نکلنے میں آسانی ہو۔ حضرت علامہ محمد اقبالؒ اس حالت پر نوحہ خواں ہیں۔

بایآتش ترا کارے خبر ایں نیست   کہ از یاسین او آساں بمیری

اللہ اللہ علم کے جہان میں کتنی باریکیاں ہیں۔ قدم قدم پر مغالطے اور لغزش کا احتمال ہے مصنف کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کوئی پہلو ایسا بھی رہ جاتا ہے جو غلط فہمی کی بنا ہو سکتا ہے۔ اسلام کے صوفی اور میدانِ تصوف کے شاہسوار بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کے مالک ہیں۔ وہ تعلیماتِ اسلامی کے روشن مینار ہیں۔ اُن کی اکثریت اسلام کی بہت بڑی ماہر اور شعائر اسلام کی کلی پابند تھی۔ وہ نکمے، بزدل اور کم حوصلہ نہ تھے بلکہ جدوجہد عالی حوصلگی بلند ہمتی کی ایک اعلیٰ مثال تھے۔ انہوں نے عمریں ایک مقصدِ حقیقی کے لئے صرف کر دیں اور اپنی مثال بندگانِ خدا کے سامنے پیش کیں۔ البتہ وہ بات جو اُن سب کے کردار میں متفقہ طور پر پائی جاتی ہے وہ ہے اُن کی اس مادی دنیا کی سحر طرازیوں سے نفرت اور آخرت میں اُن کا کلی انہماک الحق کہ اِن جیسا جدوجہد کرنیوالا کوئی نہیں۔ اُن کی زندگی کا ہر نفس ریاضت و عبادت اور تبلیغ میں گذرا۔ محبت اُن کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ فنا فی اللہ کے مرتبہ کے حصول کے لئے بعض دفعہ اُن کی یک جہتی رہبانیت کا اشتباہی پہلو لئے ہوئے نظر آتی ہے مگر وہ رہبانیت جو محض صدقِ دل سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودگی حاصل کرنے کے لئے ہو اور جس میں مکروفن کا شائبہ نہ ہو جائز ہو سکتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے عیسائی راہبوں کے ایک ایسے طبقے کے متعلق واضح طور پر فرما دیا ہے لیکن ان اسلامی صوفیاء پر لفظ رہبانیت کا چسپاں کرنا سراسر زیادتی ہے بلکہ وہ تو اسلامی فقر کے ایک نمونہ تھے۔ رہبانیت اور فقر میں بہت باریک مگر بے حد تفاوت ہے۔ بلا شبہ اسلامی صوفیاء کرام یا اولیاء کرام نے جتنی تبلیغ کی وہ اظہر من الشمس ہے اور جہاں تک غیر مسلم قوموں کے قبولِ اسلام کا تعلق ہے اس میں جتنا حصہ ان صوفیاء کرام کا ہے کسی کا نہیں بلکہ میں تو ذاتی طور پر خود یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کی کشتی کے ضامن اگر ہوں گے تو انہیں اوصاف سے متصف ہوں گے جو ان صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کے تھے۔ وہ اسلام کی باطنیت کو سمجھ کر اور ہمہ تن گوش ہو کر اور اپنی ذات کو

اسلام میں فنا کر کے محبت کے دام میں مخلوق کو لائیں گے اور اسلام کو اپنے اصلی اور خوش نما رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں گے۔ اس طرح کہ لوگ بہ رضا و رغبت ہر اُس قربانی کو قابل قبول سمجھیں گے جو اسلام کے لئے دینی پڑے گی اور اُن کے دل خوشی اور اُمید سے لبریز ہوں گے۔ بے شک اولیاء کرام اسلام کی حقیقتوں اور شعائرِ اسلام کی باریکیوں کو سمجھنے والے ہیں۔ وہ اسلام کی حقیقی روشنی کے پھیلانے اور فیض قرانی کو عام کرنے کے لئے ذاتی اغراض کو قربان کرنے اور زندگی کو عظیم مقصد کے لئے وقف کرنے والے ہیں۔

اسلام کی ابتداء سے تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان قوم دنیا کی قوموں کے درمیان عظمت کی ان بلندیوں پر اُٹھتی گئی کہ دنیا کی قومیں بالخصوص اقوام عرب اسلام اپنانے پر مجبور ہو گئیں اور اپنے غیر فطرتی مسخ شدہ ادیانِ سابق کو چھوڑ چھاڑ کر اور توہم پرستی کی زنجیریں توڑ کر اسلام کے نقشِ قدم پر جادہ ءپیا ہو گئیں۔ غیر قومیں مذہبِ اسلام پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے گو کہ صحیح اسلامی روح کو تو اپنا نہ سکیں لیکن علم و سائنس کے میدانوں میں وہ معرکے مارے اور مادی ترقی کے وہ منازل طے کئے کہ باید و شاید۔ ان قوموں نے اپنی تمام تر گرمی اور جدو جہد کی بنیاد مسلمانوں ہی کے اخذ کردہ علوم و فنون پر رکھی تھی مگر آج ہمیں یہ پتہ بھی نہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد نے علوم و فنون کے کیا کچھ خزانے ہمارے لئے جمع چھوڑے تھے۔ آج جبکہ غیر قوموں کی طرف سے کوئی تفصیل ہمیں ان علوم و فنون کی ملتی ہے تو ہمارے پاس حیرت و استعجاب کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج جب کہ تمام دنیائے اسلام میں بیداری کی آرزو پیدا ہے بلکہ عالمِ اسلام اپنی کشمکش حیات میں بیدار ہونے پر مجبور ہو رہا ہے۔ کوئی صورتِ حقیقی بیداری کی نظر نہیں آتی اور وہی بے حسی سرد مہری اور بے عملی باقی ہے۔

ہمیں جہاد کی حد تک جذبہء عمل کی ضرورت ہے۔ ہمیں عملی دنیا میں ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش چلنا ہے بلکہ ہمیں اپنی بقائے حیات کے لئے تگ و دو کرنی ہے۔ ہمیں اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کرنا ہے۔ ہمیں اپنی گزشتہ لغزشوں کی تلافی کرنا ہے۔ ہمیں بین الاقوامی سطح کی عظیم علمی سائنسی شخصیتیں پیدا کرنی ہیں۔ ہمیں پھر وہی ذوقِ جستجو اور جوشِ عمل پیدا کرنا ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کا شیوہ تھا۔ الغرض ہمیں دنیا میں وہ ہنگامہ پیدا کرنا ہے جس سے کفر و ذلالت کی بنیادیں ہل جائیں۔ ہمیں درگاہِ ربی میں دُعا کرنا ہے کہ اس جہاں کو ہمارے وسیلے سے ہنگامہ دے اس زمین اور آسمان کو دگرگوں کر دے ہماری خاک سے نیا آدم پیدا کر اور اس سود و زیاں کے بندے کو مٹا دے۔

اسلام ایک بے عیب مذہب ہے۔ قران حکیم ایک لازوال مشعل ہے۔ آج اس زخم خوردہ انسانیت کا اگر علاج ہے تو اسلام ہے۔ کوئی کتاب اگر اس علم و سائنس کے زمانے کی تیرگیوں کو فروزاں کر سکتی ہے تو وہ قران حکیم ہے۔ انجیل خاموش، توریت خاموش، زبور خاموش، مگر قران حکیم ساری کتب ءالٰہیہ کا جمیّن اس دورِ حاضر کو چیلنج کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا بلکہ اپنی علمی برتری کا لوہا منوا کر راہِ ہدائت بھی دکھلا سکتا ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ قران حکیم ہی ایک کتاب ہے جو انسانیت کے قافلے کو امن اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔ مذہبِ اسلام کی حقیقی عظمت ہمارے سامنے اُس وقت کُھلتی ہے جب ہم اسے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں دیکھتے ہیں اور قرانِ حکیم کی حقیقی برتری کا حال ہمیں اُس وقت معلوم ہوتا ہے جب ہم اسے دورِ حاضر کے طرہ ءامتیاز علوم و فنون کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ ہم دنیا کے دو بڑے مذاہب یہودیت اور عیسائیت کو سامنے رکھ کر تقابلی جائزہ لیں گے۔ تو ہماری دلیل کی وضاحت ہوگی۔

بابِ دوم

یہودیت اور اسلام۔ تقابلی جائزہ

یہودیوں کی کتاب میں واشگاف الفاظ میں نبی کریم آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پیشین گوئی موجود ہے۔ اب بھی موجود ہے مگر یہودی اپنی فطری شقاوت کے سبب مصر رہے کہ وہ نبی خود بنی اسرائیل سے ہوگا، حالانکہ یہ اُن کی سراسر زیادتی اور ہٹ دھرمی کا ایک بین ثبوت ہے۔ اسلام نے اُن کو اس پیشین گوئی کی یاددہانی کرائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ وہ نبی جن کے متعلق توریت میں پیشین گوئی موجود ہے، خود محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پیغمبروں کے جدِ امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہودیوں کو بتایا گیا کہ تم ایسے عہدہ ءِ جلیلہ کے اہل کس طرح سے ہو سکتے ہو کہ اگر تمھیں اختیار حاصل ہو تو تم کھجور کی ایک گٹھلی بھی کسی محتاج اور مستحق کو دینے سے گریز کرو۔

یہودیوں کا خدا ابنی اسرائیل کا رب تو ہے مگر سارے جہانوں کا رب ساری بنی نوع انسانی کا رب ہرگز نہیں یعنی ربِ اسرائیل تو ہے ربُ العلمین نہیں۔ یہودیوں نے ہمیشہ سے (God of ISRAEL) کے نام سے یاد کیا اور ہمیشہ یہی تصور قائم رکھا۔ یہودیوں کے علاوہ باقی ساری خدائی یہودیوں کے خدا کی خدائی سے خارج ہے۔ یہ یہودیوں کی سراسر زیادتی ہے اور یہ تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور یہ تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور سے مختلف تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس رب نے کلام کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نگاہ میں ربُ العلمین تھا۔ ربُ العلمین پہلے تھا اور ربِ اسرائیل بعد میں۔ یہودیوں کا مطمحِ نظر توحیدِ اسلامی کے سراسر منافی تھا۔ اسلام نے رب کو اللہ کے نام سے پکارا اور ربُ العلمین کے لقب سے یاد کیا اور ساری دنیا کی خدائی کو اسی نام میں محیط کر دیا۔ اسلام کا رب اسمِ معرفہ ہے۔ اللہ ساری مخلوق کا رب ہے۔ ساری بنی نوع انسانی کا رب ہے۔ یہودیوں کے پاس انسانیت کی عالم گیر برادری کا کوئی نظریہ موجود نہیں۔ اُن کی قومیت یہودیت تک موجود ہے بلکہ انہوں نے شروع سے اپنے آپ کو دوسری انسانیت سے الگ تصور کیا اور اپنے آپ کو ارفع و اعلیٰ سمجھا۔ یہ لوگ اپنی تاریخ کے کسی دور میں جہاں بھی رہے اپنی بستیاں الگ محلے الگ بنا کر رہے۔ غیر یہودیوں سے سود لینا حلال جانا غیر یہودی سے جھوٹ بولنا مکر کرنا، ٹھگی کرنا جائز سمجھا۔ یہودی دنیا کے گوشے گوشے میں غداری، سود خوری، عیاری، دروغ گوئی، فحاشی، بے حیائی، بے مروتی، بخل، سنگ دلی، کینہ شعاری اور زراندوزی کے لئے ضرب المثل ہوئے۔ اسلام نے ان کے برعکس انسانیت کی عالم گیر برادری کا نظریہ قائم کیا۔ محبت، ملنساری، مروت، باہمی رواداری، ہمہ گیر انصاف، ہمہ گیر اخلاق، جود و سخا، عفو و درگزر کا درس دیا۔ اسلام کی نگاہ میں غداری، غداری ہے ہر حال میں غداری ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ اسی طرح جھوٹ، مکر فریب، ٹھگی، غرضیکہ ہر عیب اور ہر برائی فی نفسہ برائی ہے۔ قومیت اور مذہب کی بنیادوں پر ان برائیوں میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔ مسلم یا غیر مسلم، مومن یا کافر کی کوئی تخصیص نہیں، گناہ بہر حال گناہ ہے۔

یہودیوں میں رنگ اور نسل کی تمیز تھی۔ محدود قومیت کی تمیز تھی۔ یہودی بزعم خود باقی تمام قوموں سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اسلام نے اس نسلی امتیاز پر سرے سے قلم کھینچ دی اور بزرگی کی بنا حسب و نسب یا رنگ و نسل یا فقر و دولت پر نہیں بلکہ تقویٰ و اکتسابِ فضیلت پر رکھی۔ اسلام میں سب آدمی برابر ہیں۔ گورے کو کالے پر عربی کو عجمی پر، بحسبِ حسب و نسب کوئی فوقیت نہیں۔ یہودیوں میں مساوات کا فقدان تھا اور یہ مساوات کا فقدان اُن کی ہزار خرابیوں کا باعث ہوا۔ اسلام نے انسانوں کو مساوات کا سبق دیا۔ ہر شخص کو مساوی حقوق اور مساوی مواقع مہیا کئے۔ یہودیوں میں رہبانیت کا رواج تھا۔ چرچ کی باقاعدہ حکومت تھی۔ مذہب کے تمام امور و رسوم راہبوں اور پادریوں کے سپرد تھے۔ حکومت کے اندر پادریوں کی ایک دوہری حکومت تھی۔ کسی بھی غیر پادری کو کوئی مذہبی رسوم سرانجام دینے کی قطعاً ممانعت تھی۔ اسلام نے رہبانیت اور چرچ کی حکومت کو یکسر منسوخ کر دیا اور اس کی جگہ خلافت کو قائم کیا اور دینی اور دنیاوی امور ایک ہی شخص کے سپرد کر دیئے۔ سیاست کو مذہب میں مدغم کر کے مذہب کے ماتحت کر دیا، اس طرح خلیفہ کو سوائے فرض منصبی کی انجام دہی کے کوئی فوقیت کسی پر نہ رہی۔ یہودی لوگ گرجے کے بغیر کہیں بھی عبادت نہ کر سکتے تھے۔ اسلام نے مسجد کے علاوہ روئے زمین کو اللہ کی مسجد قرار دیا۔ یہودیوں نے بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔ مثلاً اونٹ کا گوشت یا چربی وغیرہ اور بعض حرام چیزیں اپنے اوپر حلال کر رکھی تھیں۔ مثلاً

سود وغیرہ۔ اسلام نے حرام کو حرام اور حلال کو حلال قرار دیا اور اسی لئے قرآن حکیم کا نام فرقان ٹھہرا۔

یہودیوں میں سود کی لعنت اس قدر رچ گئی کہ جب اسلام نے سود کو حرام قرار دیا تو یہودی یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ آخر تجارت اور سود میں فرق کیا ہے؟ اور اس کے کیا معنی ہیں کہ اسلام تجارت کے نفع کو تو حلال ٹھہراتا ہے اور سود کو حرام کر رکھا ہے۔ اسلام نے سود کو سراسر ظلم اور دنیا کے اقتصادی نظام کے سراسر منافی قرار دیا اور سود کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دے کر قرضہ حسنہ کی سفارش کی۔ یہودی اپنے آپ کو برتر نسل CHOSEN SEED اور خود کو خدا کا بیٹا تصور کرتے تھے اور اس بنا پر یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ گناہوں کی سزا میں اُنہیں کچھ تھوڑا سا عرصہ ہی عذاب میں رکھا جائیگا اور پھر وہ عذاب سے نکال دیئے جائیں گے۔ اسلام نے اس نسلی برتری اور سزا و جزاء کے اختصاصی تصور کو باطل بلکہ لغو قرار دیا اور سزا و جزا کلیتہً اعمال پر رکھی۔

یہودی طبعاً مادہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ روحانیت کو اُن کی زندگی میں کم دخل تھا اس لئے اُنہوں نے اپنا منتہائے مقصود ہی مال و دولت کو سمجھا اور اگرچہ انتہائی بخل اور کنجوسی کے سبب جاہ و جلال یا شان و شوکت سے قطعاً محروم رہتے تھے مگر دولت کے قارون تھے۔ اس مادہ پرستی کے طفیل ہر اس لعنت اور ہر اس عذاب میں جو مادہ پرستی پر منتج ہوتا ہے گرفتار ہو کر رسوائے زمانہ ہوئے۔

اسلام نے اِن کے مقابل میں ایک ایسی متوازن زندگی کا نظریہ قائم کیا جس میں مادی ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ روحانی اور اخلاقی اقدار کو بھی قائم رکھا اور افراط و تفریط سے محفوظ کر دیا۔ مادیت اور روحانیت کا ایک ایسا امتزاج پیش کیا کہ دنیا کے بڑے بڑے فلسفہ دان عش عش کر اُٹھے۔ مادیت اور روحانیت کا باہمی رشتہ حسبِ مرتبہ قائم کیا۔ اس فانی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح اس لئے ہے کہ آخرت ہمیشہ کی رہنے والی زندگی ہے۔ اسی طرح مادی عنصر پر روحانی اور اخلاقی عنصر کو ترجیح دی گئی لیکن جس طرح فانی زندگی کی اہمیت اس بات میں ہے کہ یہی زندگی آخرت کی زندگی کے لئے ایک کھیتی ہے جو کچھ یہاں بوئیں گے آخرت میں کاٹیں گے اس لئے اسلام نے اس فانی زندگی کو بجائے خواب کے ایک زندہ حقیقت تسلیم کیا ہے اور زندگی میں شدید جدوجہد، تگ و دو اور تحقیق و جستجو کو لازم قرار دیا ہے۔ ہر سانس کی ایک قیمت ہے۔ ہر لمحہ انمول ہے جو لمحہ گذر گیا پھر نہیں آئے گا۔ اس ضمن میں اسلام نے مادی ضروریات کو مشروط قرار دیا ہے اور مادی ضروریات میں پاکیزگی کا عنصر داخل کر دیا ہے۔

اسلام نے مادی ضروریات کے اکتساب اور استعمال کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ تمام ضروریات کا استعمال اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اُس کے دین کی خدمت کے لئے ہو۔ غذا اس لئے کھائی جائے کہ زندگی قائم رہے اور زندگی اس لئے قائم رہے کہ خدا کے دین کی خدمت اور بدی کے خلاف جہاد کیا جا سکے اور اللہ تعالیٰ کی زمین کو بدی سے پاک کیا جائے اور نظر ہمیشہ عاقبت پر ہو۔

یہودیوں کا قانون یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ظہورِ اسلام کے دور کی انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھی۔ اس شریعت کا رنگ محدود قومیت کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ یہ شریعت بین الاقوامی معیار پر نہ ڈھل سکتی تھی۔ اس میں جملہ مسائلِ انسانی

کی ہمہ گیری کا فقدان تھا۔اس کی تعزیر نسبتاً سخت گیری کی مظہر تھی۔اسلام نے بجا طور پر منسوخ قرار دے کر ایک ہمہ گیر اکمل و افضل، قابل قبول شریعت، جو عالمی انسانی برادری کے ہمہ گیر تقاضوں کو پورا کرنے کی کلیتہً اہل تھی، انسانیت کے سامنے پیش کی۔اسلام نے انسانی ضمیر اور ضروریات اور طبعی رجحان کے ایک نفسیاتی تجزیے کی بنا پر ایک ایسی شریعت تجویز کی جو آج کی ترقی یافتہ قوموں کے قانون کی بیخ و بنیاد ہے۔اسلام پہلا مذہب ہے اور اسلامی شریعت پہلی اور آخری شریعت ہے جس میں اعمال کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے۔اہلِ مغرب نے اس خصوصیت کو من وعن قبول کیا ہے۔آج دنیا بھر کی کچہریوں میں قتل کی سزائیں قتل کی نوعیت کی بنا پر اس لئے اتنی ہی مختلف ہیں جتنے کہ قتل کے ارتکاب کے لئے اسباب ہو سکتے ہیں۔قتل کی نوعیت اور مدعا کا خصوصی لحاظ رکھا جاتا ہے۔یہودیوں کا قانون وراثت بھی محدود قومیت کا مظہر اور ارتکاز زر کا موجب تھا۔اسلام نے اسے منسوخ کر کے ایک ایسا قانون وراثت دیا جس میں وراثت کو زیادہ سے زیادہ مستحقین میں بانٹا گیا ہے اور مستحقین کے تقابلی استحقاق کی بنا مورث کے ساتھ تقابلی محبت اور ہمدردی پر رکھی گئی ہے۔اس طرح ایک طرف تو ارتکاز زر کا امکان ختم ہو گیا اور دوسری طرف صلہ رحمی، اخوت اور رشتہ داری کا دائرہ وسیع اور رشتہ مضبوط ہو گیا۔یہودیوں کا تعزیری قانون بھی نہایت سخت درجے کا تھا۔اسلام نے اس معاملے میں نرمی کا ثبوت دیا۔سزاؤں کی سختی میں یہودیوں کا جنگی قانون سخت تر تھا۔مفتوحین میں مردوں کو تہہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا اور جملہ املاک کو ضبط کر لیا جاتا تھا۔اسلام نے دنیا کو ایک نرم جنگی قانون دیا، جس کے مطابق جنگی اسیروں سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جاتا تھا۔دورانِ جنگ کسی پھلدار درخت کو کاٹنے یا کسی کھیتی کو اجاڑنے بستی کو نذرِ آتش کرنے یا کسی ایسے شخص کو ستانے، جو شریکِ جنگ نہ ہو عورتوں، بچوں، بوڑھوں، عالموں اور پادریوں پر کسی قسم کی زیادتی کرنے کی قطعاً ممانعت تھی۔جنگ سے پہلے شرطیں پیش کی جاتیں۔قبولِ اسلام کی صورت میں مقابل کو برابر کے حقوق حاصل ہو جاتے، ورنہ جزیئے پر اکتفا کیا جاتا۔تیسری صورت جنگ کی تھی۔

اقتصادیات کا یہودی نظریہ سود خوری اور جلبِ زر پر مبنی تھا۔یہودی اس امر میں سخت واقع ہوئے ہیں۔شکسپیر کا شائلاک ایک مثالی قرض خواہ یہودی جو قرض دار کا ایک پونڈ گوشت کاٹنے پر بھی مصر ہو جاتا ہے، بہر حال مبنی بر حقیقت تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظریئے کے مطابق لاحدود ارتکازِ زر، بے پناہ مالی تفاوت، ایک نہایت غیر مستحسن امر ہے۔غلہ اس خیال سے جمع کرنا کہ مہنگے داموں بیچا جائے گا ممنوع ہے۔اپنی ضروریات سے فالتو مال غرباء میں تقسیم کرنے کا حکم ہے۔سود خوری کے تمام طریقے حرام ہیں۔مال کو زکوۃ کے ذریعے پاک کرنا فرض ہے۔جس شخص کے پیٹ میں روٹی ہو اور وہ مر جائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو تو ایسے شخص پر جنت حرام ہو جاتی ہے۔خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی محض گذارہ الانس مقرر ہے اور واجب ہے کہ خلیفۃ المسلمین بھی ایسی ہی روٹی کھائے جو عام المسلمین کو میسر ہو اور ایسے ہی کپڑے پہنے جیسے عوام پہنتے ہیں۔اگر دنیائے اسلام میں ایک فرد بھی بھوکا ہو تو خلیفۃ المسلمین سے باز پرس ہو گی۔

یہودی سود خور بے مروت، کنجوس، مکار، غدار، سنگدل، متعصب، بزدل اور نحاش تھے۔اسلام نے جو معاشرہ پیدا کیا اس کے اثر سے مسلمان سخی، دلیر، رودار، مخلص، وفادار، رحم دل اور غیور ہو گئے۔کلمۂ حق کہتے ہی انسان اپنے اندر ایک خاص قلبِ ماہیت محسوس کرتا

ہے۔یہودیوں پر بڑھ کر اللہ تعالٰی کی نوازشات رہی ہیں مگر یہودیوں نے ہمیشہ خداوند کریم کی خوشنودی حاصل کرنے سے پہلوتہی کی، ہمیشہ خدائی احکام کی بجا آوری سے اجتناب کیا، ہمیشہ عاقبت پر دنیا کو ترجیح دی، ہمیشہ بزدلی کا مظاہرہ کیا۔اپنے پیغمبر حضرت موسی علیہ السلام سے یہاں تک کہہ دیا کہ اے موسی! تو نہ تو بڑی آگ دیکھ، نہ ہی اللہ سے کلام کر۔ہم ہر چیز سے باز آئے ہمیں آرام سے رہنے دے اور جب جہاد کا موقع آیا تو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔موسیٰ !تو جانے اور تیرا خدا اور لڑو، ہم تو شہر میں تب داخل ہوں گے۔جب وہ لوگ وہاں سے نکل چکے ہوں گے۔بعض اوقات خدائی احکام کا مذاق اڑایا اور مسخرے پن کا مظاہرہ کیا۔اس کے علاوہ بعض نبیوں کے قتل کے مرتکب ہوئے اور بعض کو جھٹلایا۔حضرت عیسی علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کی کوشش کی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے بہ استثنائے چند سب نے انکار کیا۔ان خصائل کی وجہ سے یہ قوم راندہ درگاہ اور رسوائے روزگار ہوگئی۔سارے جہاں میں جتنی مردود مقہور و مغضوب یہ قوم رہی ہے اور کوئی قوم نہیں رہی۔ایک یہودی مورخ نے جب یہودیوں کی تاریخ مرتب کی تو اس نے لکھا کہ " THIS IS NOT A HISTORY BUT MISFORTUNE "اس کے مقابلے میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برحق تسلیم کرلیا، تو تن، من، دھن، اس تحریک کی نذر کردیا۔وہ قربانیاں پیش کیں کہ دنیا کی تاریخ کوئی ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔سر بکف ہو کر جہاد کئے۔جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کردئے۔اللہ تعالٰی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اپنی ہستی تک کو بھول گئے۔خدائی احکام پر تا بہ حد جذئیات عمل کیا اور خدا کی زمین کے چپے چپے پر اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا۔اُن کی اس فرض شناسی کے صدقے دنیا کا گوشہ گوشہ ضیائے اسلام سے منور ہوگیا۔

یہودی سوائے بنی اسرائیل کے نبیوں کے کسی نبی کو نہیں مانتے اور فرشتوں میں سے بعض فرشتوں مثلاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دشمن ہیں۔اسلام نے سب نبیوں، سب فرشتوں، سب الہامی کتابوں پر ایمان لازمی قرار دیا۔یہ ایک عالم گیر مذہب کی نشانی ہے۔

توریت اور زبور میں احوال آخرت کا کچھ ضمنی سا تذکرہ ہے۔اسلام نے عالم بقاء کی اتنی واضح منظر کشی کی ہے کہ اس زندگی کا منظر ایک حقیقت بن کر انسان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔سزا و جزاء جنت و دوزخ کو ایسے دلپذیر منطقی استدلال سے پیش کیا گیا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں رہتی اور ایک منکر بھی ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

یہودیوں کے سود خوار اور نفع اندوز ذہن میں خیرات کا ایک مبہم سا تصور ہے۔اسلام نے خیرات پر زور دیا ہے حتی کہ ہر بھلائی کو خیرات تصور کیا ہے۔

یہودی مذہب میں اگر چہ بت پرستی منع ہے اور یہودی بعض دوسرے مذاہب کے مقابلے میں بت پرستی اور بت گری سے البتہ اجتناب کرتے ہیں تاہم اسلام نے جس شدومد کے ساتھ اس فعل شنیع کا سدباب کیا ہے وہ اسلام ہی کا حصہ ہے۔اس کے علاوہ چونکہ یہودیت محض ایک قومی مذہب ہے اور اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے اور اسلام کا حلقہ اثر بے حد وسیع ہے اس لئے جو شرف اس معاملے میں اسلام کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں۔یہودی حضرت عزیز کو خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں۔اسلام نے خدائے عزوجل کے باپ یا بیٹا ہونے کا تصور یکسر محو کر دیا ہے۔یہودیوں نے بہت کم توجہ اپنے مذہب کے پرچار پر دی ہے۔اسلام نے اس کے برعکس ابتداء سے ہی

اپنی عالم گیر حیثیت کا اعلان کر کے سارے جہان کو بانگِ دہل اللہ کی طرف بلایا اور دنیا کے گوشے گوشے میں توحید کا پیغام پہنچایا۔

غور سے دیکھا جائے تو آج کی مغموم انسانیت کے جتنے بھی دُکھ ہیں وہ سب کے سب انسان پر چھائی ہوئی یہودی ذہنیت کے پیدا شدہ ہیں اوران یہودی نظریوں کے خلاف جہاد ہی خدا کی ستم زدہ مخلوق کو پھر ا یکبار امن وسلامتی سے ہمکنار کر کے منزلِ مقصود کی جانب روانگی کا ضامن ہوسکتا ہے اور یہ فرض ملتِ اسلامیہ کے کندھوں پر آن پڑا ہے۔کیا دورِ حاضر کا مسلمان اس فرض کو نبھا سکے گا؟ آثار ایسے ہیں کہ مسلمان اس فرضِ منصبی کو نبھانے کے لئے سینہ سپر ہوگا۔اس وقت ایک طوفانی لہر عالمِ اسلام میں حالاتِ آئندہ کی آئینہ دار ہے مگر قوموں کی زندگی کے پیمانے میں ماہ وسال بہت ہی قلیل اکائیاں ہیں۔

یہودی ٹھیٹھ مادہ پرست اور روحانیت سے قطعاً بیزار تھے۔اپنے اس یک طرفہ پن کے سبب وہ گونا گوں اور بوقلموں خرابیوں کا شکار ہو گئے۔اُن کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث فرمایا۔اس جلیل القدر نبی کی تعلیمات یکسر یہودیوں کے مزاج کے خلاف تھیں۔یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور اپنے نظریوں پر اٹل رہے۔کسی حالت میں بھی دنیاوی منفعت کا قلیل سے قلیل خسارہ بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔اِدھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں مادی زندگی کی حقارت کے ساتھ ساتھ روحانیت کے عناصر غالب تھے۔یہودی نظریہء مساوات کے بھی قائل نہ ہوسکتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاشرے کے حقیر ترین افراد سے بے تکلفی ہی نہیں برتتے تھے بلکہ اُن کے احوال پر بمقابلہ اغنیاء زیادہ توجہ فرماتے تھے۔یہودی راہب جنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی کامیابی کی صورت میں اپنے جاہ واقتدار کا قطعی زوال نظر آرہا تھا۔اِس پیغمبر کی سخت مخالفت پر اُتر آئے اور ان کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر کے آخر کار رومی گورنر سے ان کی شکائت کر کے بغاوت کے الزام میں مغلوب کرنے کی سعی کی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر ان بدکرداروں سے رہائی دلائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ کے حواریوں نے عیسائیت کا پرچار کیا۔انجیل کے صحیفے مرتب کئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فقر کی بنیادوں پر عیسائی مذہب کی تشکیل کی۔ان کی کوششیں بارآور ہوئیں اور عیسائی مذہب چہاردانگ عالم میں پھیل گیا۔لیکن مسیحیت چونکہ مذہب کی تاریخ کی ایک کڑی تھی۔مکمل لازوال اور آخری مذہب نہ تھا۔رفتہ رفتہ جہاں ایک طرف عقائد مسخ ہونا شروع ہو گئے،وہاں دوسری طرف راہبانیت کے غلط رواج کے سبب راہبوں اور پادریوں نے وہ گل کھلائے کہ وہی مذہب جو ا یکبار انسانی نجات کا ضامن ہو کر اُٹھا تھا۔اپنے پیروؤں کے لیے ایک عذابِ الیم بن گیا۔روحانیت پر کھڑی کی ہوئی عمارت پادریوں کی لاحدود دنیاوی حرص وہوا کے سبب اور خود اپنے نا قابل عمل ہونے کے سبب مادی آفتوں کا گھر بن گئی۔خداوندکریم کی ہستی تو خود خارج از بحث ہوگئی تھی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف خوش نما اور سحر آفرین تصویر باقی رہ گئی تھی۔گرجوں کو ناچ گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔جنت کے ٹکٹوں کی فروخت سینماء کے ٹکٹوں کی طرح ہونے لگی۔علم وفضل کا حصول تو شجرہء ممنوعہ قرار دے دیا گیا تھا۔جاہل اوران پڑھ عیسائی قوم پادریوں اور راہبوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کے رہ گئی تھی۔آسمانی باپ کی آسمانی بادشاہت کے بہانے لاٹ پادری مرتبہ بہ مرتبہ اس آسمانی بادشاہت کے ارکان کی حیثیت سے سرگرمِ عمل ہو گئے تھے۔خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا۔گناہ کی پیدائش یعنی اولادِ آدم کی نجات کا واحد ذریعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شفاعت قرار دے کر ایک اچھا خاصا بلیک میلنگ کا کاروبار شروع ہوگیا۔ خدا کو آسمانی باپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا بنا کر آسمانی بادشاہت کی روحانی دنیا کے دلپذیر آسمانوں کی خوشنما دنیاؤں میں لاطائل موشگافیوں، باریک بینیوں، نکتہ سنجیوں کی پیچ در پیچ بھول بھلیوں میں نظریہ تثلیث کا ایک ایسا گورکھ دھندا تیار کیا گیا کہ حواس باختہ عقل انسانی بے چاری حیران آنکھوں سے اس سارے بکھیڑے کو اپنی نارسائی پر محمول کر کے خاموش دیکھتی رہی۔ بحث و تمحیص کا یہ رجحان آخر کار عیسائی مذہب کی بیشمار فرقہ بندیوں کا باعث ہوا۔ اتنی فرقہ بندیاں کہ جن کا شمار کرنے کے لئے ایک طویل عمر کی ضرورت ہے اور ایک کارخانہ کاغذ سازی کا درکار ہے اور پھر مزہ یہ ہے کہ نظریہ تثلیث خود وہ پادری لوگ جو زندگی بھر اس مسئلے پر بحث کرتے رہے اور لمبی لمبی تقریریں کرتے رہے۔ خود بھی نہ سمجھ سکے نہ ہی کسی کو سمجھا سکے۔ علاوہ اس کے ایک نظریہ موسوم بہ ”کفارہ گناہ“ ایسا دل پذیر وضع کیا کہ خامہ انگشت بدنداں ہے کیا کہیئے۔
تفصیل اس اجمال کی یوں سمجھئے کہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے بیٹے کی حیثیت سے صلیب پر جان دے کر جملہ انسانیت کے گناہوں کا کفارہ دے گئے لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ اس کفارے کے ادا ہو جانے کے بعد پادریوں اور لاٹ پادریوں نے جو سزائیں معمولی سے معمولی گناہ کی پاداش میں عیسائی مذہب کے پیروؤں کو دیں اور وہ ان گنت عیسائی جو جرم کی پاداش میں زندہ آگ میں جلائے گئے اس کا کیا مطلب تھا؟ کیا عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ دیا جا نہیں چکا تھا، اس کفارے کی ادائیگی کے بعد پھر کسی سزا کی کوئی گنجائش ہو سکتی تھی؟ یا یہ کہ یہ تمام سزائیں پادری لوگ آسمانی بادشاہت منوانے کی بجائے اپنی بادشاہت کے قیام کے لئے دے رہے تھے۔ وہ مظالم جو خدا پرست عیسائیوں پر آسمانی بادشاہت کے ان علمبرداروں نے عیسائیت کی تاریخ میں کئے ہیں، اُن کی تفصیلات پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن آخر کار اسلام کی مثال نے عیسائی دنیا کی آنکھیں کھول دیں اور وہی ہوا جو کچھ کہ ہونا چاہئے تھا۔ صدیوں کی پس ماندہ اور ستم زدہ عیسائیت تنگ آمد بجنگ آمد تمام رکھ رکھاؤ بالائے طاق رکھ کر ظالم پادریوں اور مسخ شدہ اور نا قابل عمل یک طرفہ مذہب کے خلاف سینہ سپر ہو کر دین کلیسا کو چھوڑ چھاڑ کر اور زنجیریں توڑ تاڑ کر علم بغاوت بلند کر کے مادی کائنات کو مسخر کرنے کی غرض سے اقلیم قدرت میں داخل ہو کر مادہ پرستی کی تاریکیوں میں کھو گئی۔ اُن کی یہ ہمہ گیر تحریک ہر سیاہ و سفید کو اپنے ساتھ خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئی اور گو کہ اسلام ہی کی مثال سامنے رکھ کر انہوں نے اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا مگر افسوس کہ مذہب اسلام پر اُن کا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسلام کی متوازن حیثیت کو سمجھنے سے قاصر رہنے کی وجہ سے عنصر روحانی سے قطعاً غافل رہے اور گو کہ مادی دنیا میں وہ انقلاب برپا کیا اور تسخیر کائنات کے وہ محیر العقول معرکے سر کئے کہ انسانی عقل وجد میں آ جاتی ہے مگر اُن کی روحانی اور اخلاقی اقدار سے حقیقی اور نا قابل معافی غفلت آخر کار رنگ لائی۔ قدرت کسی کو بھی معاف نہیں کرتی۔ قدرت کے قانون اٹل ہیں۔ مغرب کی یک طرفہ مادی ترقی اور غیر روحانی دنیا میں اُن کا کلی انہماک قانونِ قدرت کی خلاف ورزی تھی۔ قدرت کا قانون ایک متوازن حقیقت پر مبنی ہے اور متوازن زندگی کا متقاضی ہے۔ قدرتِ کاملہ نے اس دنیا کی بنیاد اس اصول پر رکھی ہے، دو متقابل کیفیتیں لازم و ملزوم ہیں۔ کائناتی بنیاد کے اولیں ممبر ایٹم میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔ ایٹم بھی دو متقابل اجزاء سے بنا ہے وہاں بھی الیکٹران ہے تو الیکٹران کے مقابلے پر پروٹان ہے، یہی اصول اس بنیادی زرے سے لیکر کائنات کی ہر بڑی سے بڑی چیز پر لاحق ہے۔ آج خدا کی مخلوق ایٹم بم کے خطرے سے تھر تھر کانپ رہی

ہےاورعیسائی دنیا میں احساسِ انسانی کا اتنا فقدان ہے کہ وہ انسانیت کو اس لرزہ خیز تباہ کاراٹیمی جہنم سے نجات دلانے کی بجائے اس جہنم کی وسعتوں میں مزید اضافے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہے۔ انہیں خدا کا خوف نہیں۔ انسانیت کا خیال نہیں۔ انہیں تو صرف اپنی طاقت سے غرض ہے اور مزہ یہ ہے کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے کے بمصداق خود تو نذرِ آتش ہوں ہی گے۔ بے گناہ انسانیت کو ساتھ گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ یہ ہے عیسائیت کی مثالی نرم دلی کے پیروؤں کا شاہکار اور یہ ہے ایثار ان لوگوں کا جو اپنے آپ کو ابھی تک عفوو درگذر کی تعلیم دینے والے نبی کا پیرو کہتے ہیں۔ دنیا بھر کی ہمہ گیر تباہی اور مغرب کی بے نظیر اخلاقی گراوٹ اور روحانی دیوالیہ کے واحد ذمہ دار پادری ہیں، جنہوں نے اپنی خود غرضیوں کے لئے دینِ مسیحی کی ہیئت کو مسخ کر کے رکھ دیا اور عیسائیت کے لئے ایسے غلط اور نا قابلِ فہم نظرئے گھڑ لئے کہ علم آیا اور وہ ناپید ہو گئے۔

باب سوم

عیسائیت اور اسلام کا موازنہ

عیسائیت میں شریعتِ الٰہی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کچھ عرصہ تک عیسائیت کے پیرو موسوی شریعت کو اپنائے رہے، پھر مختلف ممالک میں لوگوں نے اپنی اپنی عقل کے مطابق قانون وضع کئے۔ جب اسلامی قانون کا چرچا ہوا تو عیسائی ممالک نے اس کے بنیادی اصولوں کو راہِ ہدائت بنا کر اپنے اپنے قوانین مرتب کر لئے۔ اس کے برعکس اسلام کے پاس ایک فقید المثال اور جامع قانون شروع سے موجود ہے جو الہامی ہدایت میں نازل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کا اعلان کیا۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخرالزمان نے اس آسمانی بادشاہت کو عملی جامع پہنا کر اور مکمل کر کے دنیا میں رائج کیا۔ عیسائیت نے روحانیت سے یہودی مادہ پرستی کا توڑ تو ضرور کیا مگر انتہا پسندی میں انسان کی مادی ضروریات کو نظر انداز کر دیا۔ اسلام نے روحانیت کو مادیت پر سوار کر کے اور مادیت کو روحانیت میں مدغم کر کے ایک تسکین آمیز اعتدال پیدا کیا اور مادیت کا وہ پَر جو عیسائیت نے یکسر اُڑا دیا تھا اسلام نے اسے پاک صاف کر کے روحانیت کے پَر کے مقابلے میں جوڑ کر اس پرندے کو پرواز کے قابل بنا دیا۔ عیسائیت کے پاس روحانی عقیدوں کے سوا کوئی نظامِ حیات کا لائحہ عمل نہ تھا۔ اسلام نے ایک مکمل اور مفصل قابلِ تقلید نظامِ حیات ایک مضبوط لائحہ عمل پیش کیا۔

عیسائیت معدودے چند آدمیوں کے لئے کَماحقہٗ ممکن العمل تو تھی لیکن اکثریت ترکِ دنیا نہ کر سکنے کے سبب اس مذہب پر عمل پیرا ہونے سے قاصر تھی۔ اسلام نے ایک ایسا مذہب پیش کیا جو ہر فردِ واحد کے لئے ممکن العمل تھا اور جس میں ہر فردِ واحد جوابدہ ٹھہرا۔

عیسائیت رہبانیت پر مبنی تھی۔ اسلام نے رہبانیت پر یکسر قلم کھینچ کر اُسے کلیتہً ممنوع قرار دے کر ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جس کے اندر رہ کر انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں مصروف رہتا تھا۔ اسلام نے ترکِ دنیا کی نہیں بلکہ دنیا میں رہ کر حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دے کر ایک باعمل اور ایک مفید معاشرہ پیدا کیا۔ عیسائیت میں مذہب کی حکومت یعنی چرچ کی حکومت پادریوں کی تحویل میں تھی اور دنیاوی حکومت بادشاہ کے سپرد تھی۔ یہ دوعملی عیسائی دنیا کے لئے وبالِ جان تھی۔ وہ یک لخت دو حاکموں کے محکوم تھے۔ خود پادریوں اور بادشاہوں میں چپقلش رہتی تھی، اسلام نے اس کے برعکس خلافت قائم کی۔ خلیفہ پیغمبر خدا کا نائب قرار پایا۔ مذہب اور سیاست دونوں

ایک ہی شخصیت میں اکٹھی کردی گئیں۔انسان کی تاریخ میں یہ ایک معرکہ آراء اور انقلاب آفریں تجربہ تھا مگر پادریوں نے اسلام کو اس کے لئے کبھی معاف نہیں کیا۔کیونکہ اس سے خود اُن کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا مگر اسلام نے بندگی کے رشتے کے سوا خدا کے ساتھ ہر رشتے کی نفی کردی مگر ساتھ ہی فرمادیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کسی آدمی کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر مرے۔اسلام نے کہا "نہیں بلکہ یہ اشتباہ ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر موت نہیں ہوئی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھالیا"۔

عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر مرکر آدم کے گناہ کا کفارہ ادا کر گئے۔اسلام نے کہا کہ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا کفارہ نہیں دے سکتا۔عیسائیوں کے اس نظریئے سے عیسائیت کے عالم گیر مذہب ہونے کا کچھ جواز پیدا ہوجاتا ہے مگر ایک تو خود یہ نظریہ اپنی جگہ پر باطل ہے اور دوسرے عیسائیت کی بنیادی خامیاں اس جواز کو ختم کر کے عیسائیت کو ایک وقتی مذہب کی حیثیت میں لا کھڑا کرتی ہیں۔عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں اور بے شمار دوسرے مسیحوں، درویشوں اور راہبوں کے بت اور تصاویر بنا کر کھلم کھلا اُن کی پرستش کی۔اسلام اس کے برعکس بت تو بت تصویر کے خاکے کو بھی برداشت نہیں کرتا۔اسلام توحید کلی کا سب سے بڑا علم بردار اور شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔عیسائیت کلیتہً روحانی اقدار پر مبنی اور مادی ضروریات واقدار کی منکر ہونے کے سبب آخر کار نا قابلِ عمل اور نا قابلِ قبول ہوئی اور شیطان فروشیوں کی یہ عظیم آماجگاہ راہبانی مکڑیوں کا ایک خوش پاش جالا بن کے رہ گئی۔اسلام نے اس افراط وتفریط سے اجتناب کرکے اور انسان کی روحانی اور مادی دونوں طرح کی ضروریات کا پاس کرکے اِن دونوں میں کچھ ایسی حکیمانہ آمیزش کردی کہ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا سماں پیدا ہوگیا اور تمام روحانی اور مادی تشنگی دور ہوکر اطمینانِ قلبی اور سکونِ روحانی کے اسباب پیدا ہوگئے۔

عیسائی تثلیث کے قائل تھے۔اسلام اس کے برعکس توحید کے اظہر من الشمس نظریئے کا قائل ہے یعنی "احد احد احد ایک ایک ایک"۔لا الہ الا اللہ۔لا الہ الا ھُو۔

عیسائیت میں شادی کا بندھن لاینفک ہے ابدی ہے اٹل ہے اگر نبھ سکے تو قابل صد ستائش لیکن نہ نبھے تو ایک ابدی عذاب۔اسلام بھی شادی کے بندھن کی سخت تلقین کرتا ہے اور مفارقت اور طلاق کو سخت ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے لیکن اگر نبھا طاقت سے باہر ہو اور وجوہ معقول ہوں تو بادلِ نخواستہ مفارقت کی اجازت دیتا ہے گو کہ اس اجازت میں بھی اتنا تناؤ ہے اور طوالت کی اتنی کڑیاں ہیں کہ انسان سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے اور دانستہ طور پر سوچنے کا موقع اتنا دیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی وقت پر بھی اپنے اس ارادے سے باز رہ سکے اور پھر اگر وہ آخری چھلانگ لگادے اور اس چھلانگ کے بعد اُسے ہوش آئے اور پشیمانی کا سامنا ہو تو اس ناپسندیدہ جلد بازی اور آشفتہ سری کی سزا اسلام نے ایسی سخت تجویز کی ہے کہ کوئی بھی انسان انتہائی جوش وغضب میں طلاق دینے سے باز ہی رہتا ہے۔اس سزا کو عرفِ عام میں "حلالہ" کی لرزہ خیز اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے۔عیسائیت کا حقِ طلاق سے کلی انکار بعض بڑی خرابیوں کا موجب بن جاتا ہے۔اگر میاں

بیوی کے درمیان راستے الفت کے استوار نہ ہوسکیں، بلکہ باہمی نفرت ومغائرت کے طوفان اُٹھ کھڑے ہوں تو حقِ مفارقت کی تمام راہیں مسدود ہونے کے سبب جانبیں ادھر اُدھر کا رخ کرتے ہیں۔ جہاں اُن کو قلبی یا ذہنی سکون مہیا ہوسکتا ہو اس طرح سے ایک گھر ہی تباہ نہیں ہوتا بلکہ آوارگی اور فحاشی کو فروغ ملتا ہے۔ وہ بدنصیب جنہیں صحیح جوڑ نہیں ملتا اُن کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ بیزاری، برہمگی، اُداسی اُن کے نصیب میں ہوتی ہے۔ زندگی اُن کی سوہانِ روح ہوتی ہے۔ دل افسردہ اور روح پژمردہ، آنکھیں ویران، دنیا حیران، ویران۔ اسلام کی دیدہ دری کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ اقوامِ عالم نے جن میں عیسائی قومیں بھی شامل ہیں۔ ہزاروں برسوں کے انکار کے بعد آخر کار مجبور ہو کر اسلام کے نقشِ قدم پر چل کر طلاق کے حق کو تسلیم کرلیا ہے۔ عیسائیت میں عورت لاوارث ہے۔ اسلام نے عورت کو چوتھی کے ورثاء میں شمار کیا ہے۔ عورت بحیثیت ماں، بہن، بیوی، نانی، پھوپی، دادی غرضیکہ ہر کیفا گری کی وراثت میں شریک ہے۔ عیسائیت میں عورت کو ازدواجی زندگی میں ازروئے قانون کوئی تحفظ نہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں ہر لحاظ سے عورت کی ازدواجی زندگی کا قانونی تحفظ موجود ہے۔ اس کا حق مہر مقرر ہوتا ہے۔ نان ونفقہ کی مستحق ہوتی ہے، وراثت میں دعویدار ہے۔

نبی کریم ﷺ اور عیسائیت کی پیشین گوئی انجیل میں ایک ایسی پیشین گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی موجود ہے جس میں واضح الفاظ میں اور غیر مبہم انداز میں ''آحمد'' کے آنے کی خبر ہے، یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کی خبر ہے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخرالزمان کا نام تک بتایا گیا ہے۔ عبرانی زبان میں یہ لفظ ''آحمدیم'' تھا۔ عبرانی ''آحمدیم'' عربی ''آحمد'' ہی ہے۔ عبرانی انجیل ناپید ہے۔ یونانی زبان میں جو انجیل موجود ہے اس میں اس لفظ کا ترجمہ Paraclitus جو ''آحمد'' کا ہم معنی ہے اور جس کے معنی ہیں of Noble Disposition ''آحمد'' ہیں۔ انگریزی میں جو ترجمے انجیل کے ہوئے اُن میں اس لفظ کو (paraclete) لکھا گیا۔ آج کل کے مروجہ بائبل کے نسخے میں اس لفظ کو بدل کر اس کی بجائے (comforter) جس کے معنی ہیں ''تسلی دینے والا'' کے ہیں، لکھدیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں سے آخری وقت فرمایا۔

''تاہم میں تم سے ٹھیک کہتا ہوں کہ تمھارے لئے ضروری ہے کہ میں چلا جاؤں، کیونکہ اگر میں چلا نہ جاؤں تو کمفورٹر تمھاری طرف نہیں آئے گا لیکن اگر جاؤں تو اسے میں تمھاری طرف بھیجوں گا اور جب وہ آئیگا تو وہ دنیا کو بدی سے تنبیہ کرے گا اور نیکی اور بدی میں امتیاز سکھائیگا اور انصاف کی وضاحت کرے گا۔ میں نے ابھی تم کو باتیں بتائی ہیں مگر تم اُن کو نہیں سن سکتے، برداشت نہیں کرسکتے، البتہ جب وہ حق کی روح، صادق اور امین آجائیگا تو وہ تم پر تمام حق واضح کردے گا کیونکہ وہ اپنی طرف سے نہیں بولے گا مگر جو کچھ کہ اس کو سنایا جائے گا، وہی کچھ وہ کہے گا اور وہ تمھیں آئندہ کی پیشین گوئیاں بتائے گا، وہ میری تصدیق کرے گا اور میری بزرگی کی تصدیق کرے گا کیونکہ وہ مجھ سے حاصل کرے گا اور تم کو سمجھائے گا''۔

یہ پیشین گوئی اتنی واضح ہے کہ اس سے زیادہ کوئی چیز واضح نہیں ہوسکتی حتی کہ اگر لفظ ''آحمد'' نہ بھی لکھا ہوتا تو بھی یہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صادق آتی ہے۔ اس پیشین گوئی کو اگر واضح الفاظ میں لکھا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام استعاروں میں بات کررہے ہیں۔ یہ بات آپ نے اپنے حواریوں سے کی، جو اسے نہ سمجھ سکے اور وضاحت چاہی مگر دراصل حضرت عیسیٰ

علیہ السلام یہ بات بنی نوع انسان کے لئے فرمارہے ہیں۔یعنی "تاہم میں تم سے ٹھیک کہتا ہوں کہ بنی نوعِ آدم کے لئے ضروری ہے کہ میں چلا جاؤں"۔ یہ بات آپ نے دنیا سے الوداع ہونے سے کچھ پہلے کہی۔ "کیونکہ اگر میں نہ چلا جاؤں تو آحمد بنی نوع آدم کی طرف نہیں آئیں گے۔لیکن اگر میں چلا جاؤں تو اُن کو بھیجوں گا۔اور فرمایا۔"جب آحمد آجائیں گے تو وہ فرقان لائیں گے"۔فرقان کے معنی ہیں نیک وبد میں تمیز کرانے والا اور یہ قرانِ حکیم کا نام ہے اور اسلام نے ہر نیک وبد میں تمیز منطقیانہ طریقے پر سمجھائی اور نہی عن المنکر اور امرِ بالمعروف کا پیغام دیا اور سزا وجزا کی تمیز سمجھائی اور قیامت کی سزا وجزا کا مکمل فلسفہ بیان کیا۔یہ خاصیت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔یہ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل کردیں۔حضرت عیسی علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ابھی انسان کی مذہبی تعلیم باقی ہے اور انسانیت ابھی اس مقام کو نہیں پہنچی کہ اس کو اپنا سکے،البتہ جب حق کی روح صادق اور آمین یہ لقب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں جو قبل از نبوت مکے کے لوگوں میں معروف تھے اور حق کی روح یعنی مجسم اور مکمل حق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم ہی ہیں آجائیں گے تو بنی نوعِ انسان پر پورا حق واضح کردیں گے یعنی دین کو مکمل کردیں گے اور یہی خاصیت اسلام کی ہے۔

قرانِ حکیم میں ارشاد ہے۔" الیوم اکملت لکم دینکم "اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوگی۔فرشتہ پیغام لائیگا اور جو کچھ وحی کہ اُن پر نازل ہوگی وہی باتیں بتائیں گے اور آئندہ قیامت تک پیشین گوئیاں بیان کریں گے۔سو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیں۔قرانِ حکیم میں اتنی پیشین گوئیاں موجود ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور سب نبیوں سے زیادہ اور اہم پیشین گوئیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔"وہ میری تصدیق اور میری بزرگی بیان کریں گے"۔قرانِ حکیم نے انجیل کی بھی تصدیق کی اور حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کی صداقت کی گواہی دی اور واضح کیا کہ قرانِ حکیم انجیل کا مصدق ہے یعنی وہ سب کچھ بیان کررہا ہے جو انجیل میں ہے۔

عیسائیت کے صحیفے حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد شاگردوں نے مرتب کئے اور بعد کے زمانے میں اُن کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔قرانِ حکیم کی تنزیل وتدوین آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیرِ نگرانی ہوئی اور آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں تکمیل پذیر ہوگئی بلکہ الف سے لیکر ے تک سارا مذہب ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سامنے مکمل کیا حتی کہ بعد میں کوئی بھی غیر ضروری اضافہ بدعت قرار پایا۔انجیل میں ردوبدل سے ڈرایا گیا ہے مگر باوجود اس تنبیہ کے ردوبدل کی گئی ہے۔یہ تنبیہ سینٹ جان کی پیشین گوئیوں کے آخر میں لکھی ہے۔"جو کوئی بھی ان چیزوں میں کچھ بڑھائیگا تو اُس پر خدا وہ عذاب نازل کرے گا جو اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اور اگر کوئی پیشین گوئی کی کتاب سے کوئی لفظ حذف کرے گا تو خدا کی زندگی کی کتاب اور مقدس شہر اور جو کچھ کہ اس کتاب میں لکھا ہے اس کا حصہ خارج کر دے گا"۔مگر قرانِ حکیم کی حفاظت خود خداوندِ کریم نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔اس لئے اس میں تحریف کا کوئی امکان ہی نہیں۔قرانِ حکیم میں ارشاد ہے۔" اِنا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون". "بےشک ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

نظریہ تثلیث

عیسائیوں کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔یہ ایک نہایت مبہم اور تقریباً ناقابل فہم نظریہ ہے۔لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور روح القدس کی نورانی چمک نے اس خوشنما امتزاج میں ایک غیر مرئی کشش پیدا کر دی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس پیچیدہ اور بے بنیاد نظریئے کو نہ تو خود عیسائی ہی کَما حقہ سمجھ سکے ہیں اور نہ کوئی مدلل وضاحت اُن مسائل کے سوال کے جواب میں پیش کر سکتے ہیں۔یہ نظریہ خود شرک کی پہلی بنیاد ہے اور قدرتی طور پر بت پرستی اُس کی پیداوار ہے اور وہ تمام نقائص جو بت پرستی کے ضمن میں گنائے جا سکتے ہیں۔وہ سب کے سب عیسائی مذہب میں نمودار ہو گئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام اور بے شمار دوسرے بزرگوں کے بت اور تصویریں اعلانیہ گرجوں میں رکھی جاتی ہیں اور اعلانیہ ان کی پرستش کی جاتی ہے۔اس میں سراسر پادریوں اور راہبوں کی ہوس پرستی کے مواقع پیدا ہیں اور مساوات کے خاتمہ کے سامان ہیں۔انسانی حقوق کی پامالی کے امکان ہیں اور یہی نظریہ عیسائیت کو عالمگیری سطح سے گرا کر ایک محدود متعصب اور کوتاہ بین مذہب بنا دیتا ہے۔حقیقی خدا کا ضمنی وجود تو نظریۂ تثلیث میں ہے مگر عملاً خدا کا اختیار، خدا کا وجود اور خدا کا خیال دائرۂ شعور سے گریزاں ہو کر لاشعور کی تہوں میں پناہ گزیں ہو جاتا ہے۔

نظریۂ آدم گناہ کی پیدائش

عیسائی نظریہ کے مطابق انسان کی خلقت گناہ پر ہوئی اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے کے لباس میں صلیب پر مر کر انسان کے گناہ کا کفارہ ادا کر گئے۔اس نظریئے سے نفسیاتی طور پر گناہ کا ایک غلط تصور رونما ہوتا ہے اور کفارے کی تسلی سے انسان گناہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔انسان کا جوشِ عمل سست ہو جاتا ہے اور ناامیدی کی طرف مائل ہو کر بالآخر مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے۔انسان خود اپنی ذات اور انسان سے محبت کی بجائے نفرت کا اظہار کرنے لگ جاتا ہے اور خود غرضی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کے خیالات گھٹیا پست اور مائل بہ تنزل ہو جاتے ہیں۔بغور دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ڈارون کے رسوائے زمانہ نظریۂ ارتقاء کہ انسان بندر یا کسی گھٹیا جانور کی ترقی یافتہ شکل ہے، کی جڑیں بھی عیسائیت کے اسی نظریۂ گناہ تک جاتی ہیں۔

راہبانیت

رہبانیت ایک گھن ہے جو انسانی ترقی و ارتقاء، خلوصِ عمل، مساوات، اخوت اور جملہ خرابیوں کو چٹ کر جاتا ہے۔لوگوں کا خدا سے بلا واسطہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور پادریوں اور راہبوں کی سیڑھی بلکہ دیوار بیچ میں حائل ہو جاتی ہے۔لوگ مذہب کی ساری ذمہ داریاں پادریوں پر ڈال کر خود مذہبی فرائض سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔اور اس طرح مذہب میں دو طبقے پیدا ہو جاتے ہیں اور مساوات کی روح ختم ہو جاتی ہے اور فرعونیت، شدادیت اور نمرودیت کے لئے جواز پیدا ہو جاتا ہے۔اگرچہ یہ لعنتیں کتنا ہی مہذبانہ اور دل پذیر لبادہ اوڑھ کر سامنے آئیں۔تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ بعض پادری باوجود عیسائیت کے بنیادی دعویٰ فقر کے سب سے بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں اور اُن کی اس روش کی دیکھا دیکھی عوام نے بھی یہی راہ اپنانے کی کوشش کی ہے۔اس کے علاوہ رہبانیت چونکہ مادی ضروریات زندگی کے استعمال پر قدغن لگا دیتی ہے اور دنیا کو یکسر مکروہ قرار دیتی ہے۔لوگوں کے لئے یہی بندش مزید حرص و ہوا کا سبب بنتی ہے اور رہبانیت کے شکنجے میں جکڑی ہوئی خلقت دیوانہ وار دنیاوی لذات کی آرزو میں مبتلا ہو جاتی ہے اور ایک عرصے تک درپردہ ایک سالوس کی طرح اپنی

خواہشات کی آرزو کرتی ہے اور جب مذہب کی گرفت کچھ کمزور پڑ جاتی ہے تو پھر ساری زنجیریں توڑتاڑ کر گِدھ کی طرح دنیا کے مردار پر پل پڑتی ہے۔

بت پرستی

جب بھی شرک کی ابتداء ہوتی ہے تو اس کی انتہاء میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی اور خداؤں کی تعداد حشرات الارض کی طرح نمودار ہو کر پھیلتی جاتی ہے۔ ہندوؤں، بدھوں، عیسائیوں، یونانیوں اور کرہ ارض کے اکثر و بیشتر مذہبوں میں دیوؤں اور دیوتاؤں ہر قبیل اور ہر نوع کے خداؤں کا شمار حدِ قیاس سے بیروں ہے۔ ہر درخت، ہر پتھر، ہر دریا، سورج، چاند، ستارہ، غرضیکہ کائنات میں کوئی ایسی چھوٹی بڑی چیز نہیں، جسے کسی نہ کسی وقت خدائی کا مقام حاصل نہ رہا ہو۔ کسی انسان نے کوئی معرکہ سر کر لیا تو اُس کا بت بنا اور پھر پرستش جاری ہو گئی۔ کسی نے کوئی خدمت انجام دی اور اُس کا شمار انسانوں سے بلند ہو کر دیوتاؤں میں ہونے لگا۔ پیغمبر، اوتار، رشی، منی، راجہ، مہاراجہ جو بھی نامور ہوا، خدا ہو گیا۔ وہ پیغمبر اور وہ اوتار جو عمر بھر بت پرستی کے خلاف پرچار کرتے رہے جوں ہی دنیا سے روپوش ہو گئے تو ان کے بت اور مجسمے مندروں اور شاہراہوں میں نمودار ہو گئے اور ان کی پرستش شروع ہو گئی۔ شرک اور بت پرستی سے خدا اُس حقیقی خدا ربُ العٰلمین کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا، نہ اُسے ذاتی طور پر کسی نقصان کا خدشہ ہے، نہ ہی اس کی خدائی میں کمی ہو جاتی ہے، البتہ اس مکروہ عادت سے انسان اور عالمِ انسانی کا اپنا نقصان واقع ہوتا ہے۔ اس شرک اور بت پرستی کے طفیل ہر طاقتور کے ذہن میں خدائی کا فتور پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ مشرک انسانیت ذہنی لحاظ سے ایسی خدائی کو برداشت کرنے کی اہل ہوتی ہے۔ اس خدائی کے دعویداروں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور انسان کو اپنے ظلم و ستم اور جور و جفا کا ہدف بنا لیتا ہے حتیٰ کہ ہر بڑے خدا سے شروع ہو کر نیچے تک بتدریج ان خداؤں کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اور معاشرہ ان جھوٹے خداؤں کی ایک آماجگاہ بن کے رہ جاتا ہے۔ انسانی عظمت فنا ہو کے رہ جاتی ہے۔ انسانی حقوق پاؤں کے نیچے پامال ہوتے ہیں۔ انسانیت کے دل سے خون رِس رِس کر، ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ انسانیت ظالم و مظلوم کے دو گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ انسانوں اور جانوروں میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے بلکہ انسان جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے۔ اخلاق متعفن ہو جاتا ہے۔ کردار سے گِھن آتی ہے، جو انسان کی کمینگی کا ایک مردہ شاہکار بن کر کائنات کے سینے میں ناسور کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے۔ جذبات کی پاکیزگی، خیالات کی اولوالعزمی، اغراض کی بلندی، فکر و نظر کی خوش آہنگی، بصیرت، بصارت، روشن ضمیری، الغرض آدمیت کی ہر پسندیدہ روش کم نظری اور سفلگی کی تاریکیوں میں مقید ہو کر بدبودار لاشوں کی طرح، بدبو کے بھبھوکے چھوڑتی ہے۔ بھلا جہاں ہر قبیلے پر ایک انسانی معبود مسلط ہو اور جہاں ہر دوسرا انسان خدائی تکبر کے ساتھ انسان کی گردن پر پنجے گاڑ رہا ہو اور جہاں ظالم کا حق ظلم اور مظلوم کا حق برداشت ایک امرِ مسلمہ کی حیثیت اختیار کر رہا، ہو وہاں انسانی حقوق، انسانی عظمت یا انسانی شرافت کا کیا تصور؟ فطرتی طور ایسا معاشرہ تفریق و تقسیم اور فکری انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ بے شمار ذاتیں، لاتعداد مذہب، ان گنت بادشاہتیں بروں از حد و شمار رسم و رواج ظہور پذیر ہو کر معاشرے کو عذابِ الٰہی میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ انسانیت مر جاتی ہے، معاشرہ کھو جاتا ہے اور انصاف انسانیت کے لاشے پر نوحہ کرتا ہے لیکن قدرت کے قانون اٹل ہیں۔ قدرت ایک داروغے کی طرح کائنات پر مسلط ہے اور ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانچ رہی ہے۔ عفو و درگذر

کوقدرت کے معاملے میں دخل نہیں، شرک وبت پرستی سے پیدا شدہ خرابیاں آخر رنگ لاتی ہیں اور مشرک قومیں ایک عرصہ عذابِ الیم میں گرفتار ہوکر دنیا کے لئے مثالِ عبرت بن جاتی ہیں۔

باب چہارم

اسلام کے نمایاں اصول

توحیدِ اسلام آخر کار دنیا کے تیرہ و تاریک افق پر آفتابِ اسلام توحیدِ خداوندی کا ایک ہمہ گیر نظریہ لے کر اُبھرا اور اس آفتابِ عالمتاب کی روشنی میں سب جھوٹے خدا حشرات الارض کی طرح ملیامیٹ ہو گئے۔ایک خالق حقیقی اور مالکِ حقیقی انسانیت کے آسمان پر بہ جلال و جمال نمودار ہوا۔بندہ و رب، عابد و معبود، خالق و مخلوق کی سب دیواریں منہدم ہو گئیں اور ایک ہی خالقِ لاشریک مالکِ کل اور قادرِ مطلق کے زیرِ سایہ ساری خدائی رعیت قرار پائی۔انسان انسان کے برابر ہو گیا۔رنگ و نسل، حسب و نسب کی تمیز مٹ گئی۔انسانی برتری کا سبب تقویٰ قرار پایا۔ذاتیں، فرقہ بندیاں حرفِ غلط کی طرح محو کر دی گئیں۔ایک خدا، ایک خدائی، ایک مذہب، ایک قانون، ایک ہمہ گیر انسانیت، یکجا ہو کر اس دنیا میں انسانی حقوق، انسانی مساوات، عالم گیر اخوت، سماجی، معاشرتی اقتصادی انصاف، کے ضامن ٹھہرے۔ مخلوقِ خدا پر ستم ڈھانے والے بالادست، خدائی کا دعویٰ کرنے والے نخوست پرست، کمزوروں کا حق غصب کرنے والے بدمست اور خدا

کی خدائی میں رخنہ ڈالنے والے خود پرست، اس خورشیدِ جہاں تاب کی حدت و تمازت میں پگھل کر ناپید ہو گئے۔ بتوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ تیرگی کے بادل چھٹ گئے اور انسانیت ایک ہمہ گیر برادری میں مربوط اور دل پذیر اخوت و محبتِ ابدی کے رشتوں میں منسلک ہو کر رحمتِ ربی کے سائے میں فرحان و شادان اپنی منزلِ مقصود کی جانب امن و سلامتی کی شاہراہِ اعظم پر جادہ پیما ہو گئی۔ غاصب پادریوں، سرکش سرغنوں اور مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر مخلوقِ خدا کو دھوکہ دینے والوں پر اللہ کی زمین تنگ ہو گئی۔

دنیائے ناپائیدار کے اس گلشنِ جانفزاء میں نسیمِ بہار پیغامِ رحمت لے کر اس طرح سے اٹھکیلیاں کرتی ہوئی چلی کہ انسانیت کے دل کی کلیاں کھل گئیں ۔ جھوٹے خداؤں سے چھٹکارا پانے پر ان کے دل میں شرافت اور اولوالعزمی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ عالی ہمتی اور عالی نژادی کے جذبہ پُرسرور انگیز کی شعاؤں میں دوں ہمتی اور دوں نہادی کے خیال کہر کی طرح معدوم ہو گئے۔ خدائے عزوجل سے رشتۂ بندگی استوار ہوا تو فرطِ انبساط سے دل و دماغ کی وسعتوں میں ساری کائنات جلوہ گر ہو گئی۔ خدائی کا اسرار اور بندگی کے رموز، زمین و آسمان کے حقائق، حسنِ تخلیق کے انوار، مبداء و معاد کی وسعتیں، جلوۂ جمالِ آفرین بن کے سامنے آ گئے۔ یہ جہاں انسانی ضمیر کے آئینے میں منعکس ہو گیا۔ شہرِ علم کے دروازے جو انسانیت نے اپنے اوپر صدیوں سے بند کر رکھے تھے دفعتاً کھل گئے اور تاحدِ نگاہ سینکڑوں نئے افقِ عالمِ انسانی میں اُبھر آئے۔ لوگ توحید کی عطا کردہ حرارتِ ایمانی کے سبب بے دریغ دنیائے علم میں داخل ہو گئے۔ وہ رازہائے بستہ جو صدیوں سینۂ کائنات میں سربستہ رہے ایک ایک کر کے کھلتے گئے اور وہ موتی جو ہزارہا سال سے ذہنِ انسانی کے بحر ۔ ۔ ۔ عمیق میں پوشیدہ تھے انسانیت کے گلے کا ہار بن گئے۔

اہلِ مغرب دنیائے اسلام کی مثال سے متاثر ہو کر اور اسلام کے وجود میں آنے کے ایک ہزار سال بعد شہرِ علم میں داخل ہوئے اور مادی دنیا کے نہاں خانے سے لاتعداد اسرار و رموز حاصل کر کے کائنات کو مسخر کرتے گئے۔ آمد و رفت کی سہولتوں کے پیشِ نظر کرہ ارض کی انسانی مخلوق کو قریب سے قریب تر لے آئے۔ دنیا کی طنابیں کھچ گئیں اور بنی نوعِ انسان گویا ایک شہر کی آبادی بن گئی۔ دنیا توحیدِ اسلام کے مقصودِ آخریں یعنی جملہ انسانیت کے ایک ہی مرکز پر جمع ہونے کی منزل پر پہنچ گئی ۔ اہلِ مغرب نے جو کام کرنا تھا وہ کر دکھایا۔ اب ایک بار پھر مسلمانوں کا فرضِ منصبی شروع ہوتا ہے۔ عیسائیت یا دوسرے مذاہب کی محدود الوہیت داستانِ ماضی اور قصہ پارینہ ہو چکی ہے اور آفتابِ توحید یکبارگی کائنات کی وسعتوں میں چمکنے والا ہے ۔ توحید اس کائنات کی تخلیق کے مقصودِ حقیقی کی آخری اور مکمل تصویر ہے جہاں ساری انسانیت انصاف کی راہ پر خرم و خورسند اور امن و سلامتی سے ہمکنار اپنی منزلِ حقیقی کی طرف گامزن ہو۔ بنی نوعِ انسان کے لئے ایک خدا، ایک رسول، ایک دین اور ایک منزل ہو۔ خدا، بادشاہ، پیغمبر، وزیر، ساری انسانیت رعیت، مساوی حقوق، باہمی انصاف پر مبنی معاشرہ، جذبۂ محبت سے سرشار انسانیت، معتدل اور متوازن زندگی، ضروریاتِ زندگی ارزاں، غیر معتدل تفریق ناپید، دل جلوۂ عرفان سے منور، آنکھیں اشکِ مسرت سے لبریز، ضمیر مطمئن، روح پُرسکون، مذہبی آزادی برقرار، باہمی رواداری موجود، انسانیت کا قافلہ قافلہ سالارِ انسانیت جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم احمد مجتبیٰ سرتاجِ انبیاء خاتم النبیین شفیع المذنبین شافعِ روزِ محشر رحمت للعلمین کالی کملی والے کی معیت میں قرآنی مشعلیں تھامے اسلام کا جھنڈا لئے تہلیل و تکبیر میں مشغول صراطِ مستقیم پر اپنی منزلِ عقبیٰ کی جانب راہ پیما

ہو۔

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اسلام ایک صحیح العقیدہ مصدق اور متوازن دانش مندانہ مذہب ہے۔ یہ مذہب شروع سے لے کر آخر تک انسانیت کے لئے رحمت ہے۔ اس مذہب نے انسان کی مشکلات کو سمجھا۔ بے چارے انسان کی مجبوریوں کو جانا اور انہیں ازراہِ ہمدردی دیکھا۔ اسلام نے کائنات و آدم کی تخلیق، خالق و مخلوق کے تعلقات، مذہب کی حقیقت، انسانی مراتب، دینِ اسلام کی ابدیت، اللہ تعالیٰ خالقِ کل کی بلاشرکتِ غیرے الوہیت، زندگی کی ابتداء اور انجام، حقوق اللہ، حقوق العباد غرضیکہ ایک ایک نس کو کائنات کے چہرے میں آئینہ کر کے عقلِ کل کی روشنی سے انسان کو دکھلا دیا۔ دنیا بھر کے مذاہب میں جتنا سادہ اور اتنا واضح مذہب یہ ہے اتنا کوئی نہیں۔ کوئی بات اس میں ایسی نہیں جو ایک اوسط درجے کے عقل رکھنے والے انسان کی عقل سے بالاتر ہو۔ جتنا خلوص اسلام میں ہے اتنا کسی دوسرے مذہب میں نہیں۔ اس کی ہر بات عقل کی کسوٹی پر تُل سکتی ہے۔ اسلام نے علم و فضل کے حصول کو شجرۂ ممنوعہ قرار نہیں دیا۔ اس کے باوجود کبھی بھی مابعد الطبیعاتی الجھنوں میں پڑنے کی سعی نہیں کی۔ اسلام جزا و سزا کی بنیاد کسی فردِ واحد کی قربانی یا گناہ پر نہیں رکھتا، اس نے انسان کی پیدائش کی وجہ گناہ نہیں بلکہ آزمائش بتائی۔ اسلام کے مطابق انسان پیدائشی گناہ گار نہیں بلکہ اس کے برعکس انسان کو اچھی سرشت پر پیدا کیا گیا ہے مگر بعد میں شیطان نے اسے گناہ کے غار میں دھکیل کر اسفل السافلین کے زمرے میں داخل کر دیا اور کوئی بھی شخص کسی دوسرے انسان کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھائیگا۔ ہر شخص کے ساتھ سزا و جزاء کے معاملے میں انصاف کیا جائے گا اور ذرہ بھر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ البتہ اپنے فضل کے لئے خود مختار ہے، تاہم سزا کی صورت میں راہِ انصاف کو ترک نہیں کرے گا۔ اسلام نے خالصتہً ایک خدا میں الوہیت کے حقوق کو محیط کر کے کسی بھی دوسرے کی خدائی کے جواز کی تمام راہوں کو مسدود کر دیا۔ اسلام نے آزادی مساوات اور اخوت کو فروغ دیا ہر انسان کے بنیادی حقوق کو تسلیم کیا اور امن و سلامتی کی راہ دکھلائی۔ اسلام درحقیقت دکھی دنیا کے دل کی پکار کا جواب ہے۔ انسانیت کے ہر مرض کا شافی و کافی علاج ہے۔

اسلام میں خدا کا تصور اسلام کا خدا ''اللہ'' ہے۔ یہ نام اسی ذات کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے کسی دوسرے کے لئے اس کا استعمال تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اللہ ساری کائنات اور عالمین کا رب ہے۔ وہ صرف کسی خاص فرقے یا مسلمانوں کا ہی رب نہیں بلکہ ربُ العٰلمین ہے۔ وہ ایک ہی ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ وہ لاشریک ہے کوئی اس کی خدائی میں شریک نہیں۔ وہ قادرالمطلق ہے۔ علی کلِ شیٍ قدیر ہے۔ ہر بات پر قادر ہے۔ سمیع بصیر ہے۔ دعاؤں کو سنتا اور پکار کا جواب دیتا ہے ۔ شاہ رگ سے بھی نزدیک ہے۔ نگاہ کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ حالانکہ نگاہ اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ وہ غفار ہے۔ ستار ہے۔ جبار ہے۔ قہار ہے۔ وہ ایسا ہے کہ کوئی شے اُس جیسی نہیں۔ انسانی ذہن اس کا تصور نہیں کر سکتا۔ اسلام کا اللہ ایک ہے۔ وہ واحد ہے۔ لاشریک ہے اُس کی حکومت میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ رزاق، وہ علیم، وہ ہمہ دان ہے۔ عالم الغیب ہے۔ حاضر ہے۔ موجود ہے۔ لازوال ہے۔ غیر فانی ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کا جاننے والا ہے۔ ظاہر و باطن کو پہچاننے والا ہے۔ کوئی چیز اُس سے چھپی ہوئی نہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ھستی پر دلالت کرتا

ہے اور اس کی حکمتِ کاملہ کا مظہر ہے۔ نہ اُسے نیند آتی ہے نہ اُونگھ اور نہ ہی تھکاوٹ محسوس کرتا ہے۔ "کُن" کہتا ہے اور جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ وہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ اُس کے تخت نے سارے جہان کو گھیر رکھا ہے۔ وہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت نہیں بدلتی۔ وہ بخششوں والا پروردگار ہے۔ معاف کرنے والا رب ہے۔ عادل ہے اور انصاف کرتا ہے۔ اس کی رحمت بیکراں ہے۔ اس کا فضل بے پایاں ہے۔ وہ سزا و جزا کا دینے والا اور قیامت کا مالک ہے۔

سادگی خلوص اور جوشِ عمل

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل تھی محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سادگی، خلوص اور جوشِ عمل اسلام کے امتیازی نشان ہیں۔ اسلام رسوماتی باریک بینیوں، مابعد الطبیعاتی الجھنوں، فلسفیانہ موشگافیوں سے کلیتہً پاک ہے۔ جب مسلمان نے لا الہ کہا تو اس نے ساری طاغوتی طاقتوں کا جہاں مسمار کر دیا۔ جب الا اللہ کہا تو آسمانی حکومت دنیا پر اُبھر آئی۔ جب محمد الرسول اللہ کہا تو دو جہان کی حکمتیں اُس کی اپنی ہو گئیں۔ اس لئے مومن کی فراست کو سراہا گیا ہے اور اس لئے مومن راست بین اور بہت دور بین ہوتا ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے بعد جتنے علوم وفنون وہ حاصل کرتا ہے۔ ان سب کا تجزیہ اور ترتیب اسی روشنی میں کرتا ہے۔ اس لئے دنیا کا کوئی علم اس کو گمراہ نہیں کر سکتا اور وہ کسی بھی علم کا غلط استعمال نہیں کرتا کیونکہ وہ علم کا مالک ہوتا ہے۔ علم اُس کا مالک نہیں ہوتا۔ دوسرے مذاہب میں یہ بات کہاں۔ اُن میں سادگی خلوص اور جوشِ عمل مفقود ہو چکا ہے۔ گمراہ کن علوم نے ان کے پیروکاروں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

اُسوہ حسنہ رسول اسوہ حسنہ رسولِ مقبول ہر مقام پر مسلمان کا رہبر ہے۔ دنیا میں کسی بھی پیغمبر کے حالاتِ زندگی اتنے واضح اور اتنے مکمل نہیں جتنے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہیں بلکہ دوسرے انبیاء کے حالات کا لوگوں کو بہت ہی کم علم ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر انبیاء کے حیات لکھنے کے لئے نہایت ہی کم ، نا کافی اور بعض دفعہ غیر معتبر مواد حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہاں یہ بات کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تیئس سال کی پیغمبرانہ زندگی کا ہر لمحہ گویا دورِ حاضر کی اصطلاح میں آٹومیٹک کیمرے کی آنکھ کے سامنے رہا ہے اور سارا پیغمبری دور ہی مصور ہو گیا ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہر قول، ہر فعل، ہر عادت، ہر خصلت، ہر حرکت حتیٰ کہ ہر جنبش کیمرے کے سامنے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کھانا کیا کھاتے؟ کیسے کھاتے؟ کیسے شروع کرتے؟ کیسے ختم کرتے؟۔ آپ ﷺ کپڑا کیسے پہنتے کیا پہنتے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چلتے کیسے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم گفتگو کیسے کرتے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رنج و غم، خوشی، غصہ، پسندیدگی ناپسندیدگی کا اظہار کیسے فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محفل کیسے ہوتی۔ محفل میں رہنے کا انداز کیسا ہوتا؟۔ اِس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تیئس سالہ نبوت میں واقعات کی کڑیاں اس طرح جڑی ہیں کہ ایک مکمل ریل تیار ہو جاتی ہے اور پھر وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوانح حیات یا اقوال و افعال لکھنے کے ذمہ دار ہیں۔ اُن کی حق پرستی راست گوئی کا یہ عالم ہے کہ فرشتے بھی اس مقام کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر وہ اصحاب اس نازک ترین معاملے میں ذرہ بھر طرفداری کرتے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معجزوں اور

کراماتوں کے اتنے انبار لگ جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی شخصیت دیکھنے والے کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔لیکن دوست تو دوست دشمن کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح حیات قطعاً مبالغہ آرائی سے پاک ہیں اور یہ ہے بھی ایک مسلمہ حقیقت کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور مرتبے کے پیشِ نظر وہ چند معجزے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے منسوب کئے جاتے ہیں۔اتنے واجبی ہیں کہ ان میں دس گنا مواد بغیر کسی دقت کے سمویا جا سکتا ہے۔ہم تو کہتے ہیں۔مبارک ہے وہ اسوہ حسنہ اور مبارک ہیں وہ جنہوں نے قلمبند کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔رحمت للعلمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جبہ ہے اور خلقِ عظیم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تاج ہے۔صداقت اور امانت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس کا تانا بانا ہے۔خوش خلقی کا رنگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرتِ حسنہ میں جلوہ گر ہے۔حق کا نورانی حلقہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کے گرد جگمگ جگمگ کرتا ہے۔اللہ کا نور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ صادق میں جمال آراء ہے۔معرفت کا سرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کالی سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے مترشح ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمِ حق ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم نور ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ قران ہیں۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کرتے ہیں تو جیسے پھول جھڑتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو دلوں کی فوج اسیرِ محبت ہو جاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادب سکھلانے والے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل سراپا ادب ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت ہیں۔جو بیٹھتے ہیں تو سب کے برابر، جو چلتے ہیں تو سب کے درمیان۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاموشی میں ایک کائنات جذب ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو پھولوں کی ایک جنت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل موتیوں بھرا دریا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی اختیار کرتے ہیں تو کائنات خاموش ہو جاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو سدا بہار باغ کھِل جاتے ہیں۔فرشتے جن کی خوشہ چینی کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے کلام کے الفاظ کا جادو جگاتے ہیں تو کائنات مسحور ہو جاتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افسردہ ہوتے ہیں تو جہاں افسردہ ہو جاتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمزدہ ہوتے ہیں تو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غمزدہ ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے ہیں تو کائنات مسکراتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روتے ہیں تو کائنات روتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہیں تو کائنات کانپتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیکرِ عفو ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرِ رحمت ہیں۔دوست پر رحمت فرماتے ہیں تو دشمن کو درگزر کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلم کے نورانی مینار ہیں تو شفقت کے پھول ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعدہ کرتے ہیں تو ہر قیمت پر ایفاء کرتے ہیں۔کوئی امر سخت ناپسندیدہ وقوع پذیر ہو تو سینہء بے کینہ میں رنجیدگی کا کچھ ایسا تموج پیدا ہوتا ہے کہ ابروؤں کے درمیان سے اُٹھتی ہوئی وہ رگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبینِ مبارک سے مانگ تک جاتی ہے۔پھول جاتی ہے مگر ناپسندیدگی ذات کے لئے نہیں کسی اصول کے لئے ہوتی ہے۔آپ چلتے ہیں تو راستے میں ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کی خیریت پوچھ رہے ہیں اور شفقتیں فرما رہے ہیں۔ایک بے چاری بڑھیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمکلام ہوتی ہے تو بھی ٹھہر جاتے

ہیں اور اس کی باتوں پر توجہ فرماتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء میں سے ہر ایک یہی تاثر رکھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر ہی زیادہ شفقت فرماتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق اور امین ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے کے لوگوں سے مجبور ہو کر ہجرت فرماتے ہیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس ہدایت کے ساتھ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں کہ سب امانتیں لوگوں تک پہنچا کر ہجرت کریں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمنوں کے لئے بھی بددعا نہیں کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے بددعا کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔میں بددعا کے لئے نہیں بھیجا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمر بھر کسی کو جھڑکا نہیں۔کسی سے تلخ کلامی نہیں کی۔بار ہا بے پناہ سخاوت کے سبب زیرِ بارِ قرض ہوئے۔قرض خواہوں سے ہمیشہ نرمی سے پیش آئے۔بعض دفعہ کسی قرض خواہ کے ناواجب تقاضے اور نازیبا رویئے پر بھی نرمی ہی برتی۔دن بھر وعظ فرماتے فرد فرد کو اللہ کا پیغام پہنچاتے۔رات کو عبادتِ الٰہی میں اتنے مصروف ہوتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دوسروں کی حاجت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے۔لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو آزادی پر ترجیح دی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنجیدہ اور باوقار طبیعت کے مالک ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طینت میں غم کا پہلو نمایاں ہے مگر خوش خلقی کا یہ عالم ہے کہ بعض دفعہ نہایت ہی معصوم قسم کا مزاح بھی کر جاتے ہیں۔سواری کے لئے سوالی سوال کرتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔میں تمھیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔سوالی پژمردہ ہو جاتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں ایک اچھا خاصا اونٹ سوالی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔سوالی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔دیکھو! یہ اونٹنی کا بچہ نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر غم اور ہر خوشی میں لوگوں کے شریک ہیں۔بیماروں کی عیادت خود فرماتے ہیں اور ہر شخص کی پرسشِ احوال فرماتے ہیں۔انصاف کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مستحکم ہیں۔انصاف کے ترازو میں اگر پلہ یہودی کا مسلمان کے مقابلے میں بھاری ہوتا ہے تو فیصلہ یہودی کے حق میں کرتے ہیں۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا ہی فیضان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انسانیت کی تاریخ میں وہ مثالیں قائم کر گئے جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا جہان کی قومیں قاصر ہیں۔دلیری اور جواں مردی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرب المثل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر کا نمونہ ہیں۔فقر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فخر کہا۔اس لئے فقرا اپنے آپ پر جتنا فخر کرے بجا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں کے والی ہیں محتاجوں کے دستگیر ہیں۔مظلوموں کی دادرسی کرنے والے ہیں اور حق داروں کو حق دلانے والے ہیں۔مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کے دوران کعبہ میں قریش کی جماعت بیٹھی ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف چادر اوڑھے بیٹھے ہیں۔یہ وہ زمانہ ہے جب مکہ کے اکثر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اور ایذارسانی پر کمر بستہ رہتے تھے۔ایک پردیسی آتا ہے اور جماعتِ قریش کو مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے لوگو! میں پردیسی ہوں، مظلوم ہوں، اس شہر میں میرا کوئی نہیں، میرے ساتھ ابوجہل نے اونٹوں کا سودا کیا۔اونٹ مجھ سے لے لئے ہیں لیکن رقم نہیں دیتا ہے۔کوئی آپ میں سے ہے جو مجھے میرا حق اس سے دلوائے۔جماعتِ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ شخص ہے جو تمھیں تمھارا حق دلوا سکتا ہے۔یہ سن کر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پاس آتا ہے اور فریاد کو دہراتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُسے اپنے ساتھ چلنے کو کہتے ہیں۔ جماعتِ قریش دریافتِ حال کے لئے اپنے ایک آدمی کو بھیجتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو جہل کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔ ابو جہل اندر سے نمودار ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس آدمی کا حق اس کے حوالے کردو۔ ابو جہل کہتا ہے کہ مجھے اجازت دیں کہ اندر سے حق لاؤں۔ وہ اندر جاتا ہے اور جلد ہی باہر آجاتا ہے اور آ کر رقم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کردیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی کو پیسے دے دیتے ہیں۔ جماعتِ قریش کا جاسوس یہ حال دیکھ کر واپس پہنچ کر اُن کو اطلاع کردیتا ہے۔ تھوڑی سی دیر میں ابو جہل بھی وہاں آجاتا ہے تو وہ اس کا سخت مذاق اڑاتے ہیں کہ تم اتنے بڑے بنتے ہو۔ محمد ﷺ جوں ہی تمھارے سامنے آئے تو تم نے فوراً پیسے نکال دئے۔ ابو جہل کہتا ہے۔ قسم ہے کہ میرا ارادہ پیسے دینے کا نہیں تھا مگر میں نے دیکھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے اوپر سے ایک اونٹ اس غضبناک حالت میں منہ کھول کر لپکنا چاہتا تھا کہ مارے خوف کے میں بے حال ہوگیا۔ سو میں نے خیریت اسی میں سمجھی کہ پیسے واپس کردوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کی معراج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخرِ کائنات ہیں۔ فخرِ انبیاء اور رُسل ہیں۔ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فخر کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کی معراج ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخرِ کائنات ہیں۔ آسمان نازاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شبِ معراج کے لئے آسمان پر تشریف فرما ہوئے۔ زمین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فخر کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قدوم ممنیت لزوم سے اسے شرف بخشا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاکیوں کے لئے جدوجہد، جوشِ عمل، اخلاص ومحبت، عزتِ نفس، عدل وانصاف، رحم وکرم، عفو ودرگذر، صبر وشکر، ضبط وتحمل، سوز وگداز، مروت وہمدردی، مہمان نوازی، خاطر تواضع، غیرت وخودداری، الفت وشفقت، فصاحت وبلاغت، امن وسلامتی، سکون وطمانیت، فکر ونظر، عصمت وپاکیزگی، خوش خلقی، حسنِ معاملات، استقلال، سلامتی، عشقِ الٰہی، حکمت ومعرفت، جراتِ ایمانی، غریب پروری کا وہ فقید المثال نمونہ پیش کیا اور قدسیوں کی نگاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاب قوسین کا قربِ ربانی حاصل کرکے خاکیوں کو وہ مقام بخشا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شریک نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے لئے ہر اچھی اور قابلِ تقلید بات کا نمونہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشنی کا ایک جہاں افروز مینار ہیں۔ زندگی کا کوئی صیغہ حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نوعِ انساں کے لئے لائقِ تحسین مثال قائم نہیں کی۔ زندگی کا کوئی مسئلہ، معاشرے کی کوئی مشکل، فلسفے کی کوئی گتھی، ایسی نہیں جس کا حل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملاً اور علماً پیش نہ کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثالی پیغمبر، مثالی مجاہد، مثالی ہمسفر، مثالی میزبان، اور مثالی مہمان، مثالی آقا، مثالی منصف، مثالی مسئول، مثالی رہبر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر واستغناء کے شہنشاہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالتِ نزع میں تھے۔ استفسار پر معلوم ہوا کہ گھر میں دو دینار موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ دونوں دینار خیرات کردیئے جائیں، نامناسب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے ملاقات کریں تو دو دینار آپ کے پاس ہوں۔

اللہ اللہ قلم تڑپتا ہے اور دل بے چارہ مچلتا ہے مگر تاب کسے ہے کہ منقبتِ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہے۔ کیا خبر کہ آفتابِ عالم

تاب ہمارے گھر کے علاوہ جہان کے کون کون سے گوشے کو منور کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہء نبوت میں جو پہاڑ مصائب کے برداشت کئے اور جو غم انسانیت کی بھلائی کے لئے اٹھائے کس کا دل گردہ ہے کہ انہیں بیان کرے۔ مدتیں گذر جائیں گی۔ زمانے تمام ہو جائیں گے قیامت برپا ہو جائے گی مگر انسانیت نہ ایسی ہستی پیدا کر سکی ہے نہ کر سکے گی۔ آپ پر لاکھوں درود وسلام ہوں ۔الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ ﷺ

اختتام